مرزا فرحت اللہ بیگ

(1884ء – 1947ء)

مرزا فرحت اللہ بیگ دہلی میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم مکتب میں حاصل کرنے کے بعد ہندو کالج سے 1905ء میں بی۔اے پاس کیا۔ 1907ء میں وہ حیدرآباد گئے اور مختلف ملازمتوں پر مامور رہے اور ترقی کرتے کرتے اسسٹنٹ ہوم سکریٹری کے عہدے تک پہنچے۔ 1919ء میں انھوں نے اپنا سب سے پہلا مضمون رسالہ ''افادہ'' آگرہ میں لکھا۔ اور 1923ء سے وہ باقاعدہ مضامین لکھنے لگے۔ انھوں نے تنقید، افسانہ، سوانح حیات، معاشرت اور اخلاق ہر موضوع پر کچھ نہ کچھ لکھا اور اچھا لکھا لیکن ان کے مزاحیہ مضامین سب سے زیادہ کامیاب ہوئے۔

مرزا فرحت اللہ بیگ کے مضامین سات جلدوں میں 'مضامینِ فرحت' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ نظم کا مجموعہ 'میری شاعری' کے نام سے چھپ چکا ہے۔ اس میں بھی مزاحیہ رنگ نمایاں ہے۔

ہنسنے اور ہنسانے کا کوئی اصول مقرّر نہیں ہوسکتا۔ تمام مزاح نگار اپنا انداز جدا رکھتے ہیں۔ مرزا فرحت اللہ بیگ کا بھی ایک مخصوص رنگ ہے، جسے عظمت اللہ بیگ نے 'خوش مذاقی' کہا ہے۔ خوش مذاقی میں قہقہے کے مواقع کم اور تبسم کے زیادہ ملتے ہیں۔ ان کے یہاں ایسا انبساط ملتا ہے جسے دیرپا کہا جاسکتا ہے۔

مرزا فرحت اللہ بیگ کے یہاں دلچسپی کے کئی سامان ہیں۔ ان کی مزاح نگاری میں دلّی کے روزمرہ اور محاورات کا لطف پایا جاتا ہے۔ وہ اکثر ایسے محاورات اور الفاظ اپنی تحریر میں لاتے ہیں جو دلّی کے لوگ گفتگو میں استعمال کرتے ہیں۔ زیرِ نظر مضمون ان کی انھیں خصوصیات

© NCERT not to be republished

کا آئینہ دار ہے۔ اس کی مزید خوبی یہ ہے کہ اس سے ہمیں اردو کے ایک بہت بڑے ادیب اور انیسویں صدی کے ہندوستان کے ایک بڑے شخص مولوی نذیر احمد کے بارے میں بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں جو اور کسی طرح نہ معلوم ہو سکیں۔

© NCERT not to be republished

نذیر احمد کی کہانی کچھ میری اور کچھ ان کی زبانی

مولوی صاحب کا حلیہ سنیے :

رنگ سانولا مگر روکھا، قد خاصا اونچا۔ مگر چوڑان نے لمبان کو دبا دیا تھا دوہرا بدن گدرا ہی نہیں بلکہ موٹاپے کی طرف کسی قدر مائل۔ فرماتے تھے کہ بچپن میں کسی قدر ورزش کا شوق تھا۔ ورزش چھوڑ دینے سے بدن جس طرح مرمروں کا تھیلا ہو جاتا ہے بس یہی کیفیت تھی۔ بھاری بدن کی وجہ سے چونکہ قد ٹھگنا معلوم ہونے لگا تھا اس لیے اس کا تکملہ اونچی ترکی ٹوپی سے کر دیا جاتا تھا۔ کمر کا پھیر ضرورت سے زیادہ۔ توند اس قدر بڑھ گئی تھی کہ کمر میں ازار بند باندھنے کی ضرورت ہی نہیں بلکہ تکلیف دہ سمجھا جاتا تھا اور محض ایک گرہ کو کافی خیال کیا جاتا تھا۔ گرمیوں میں تہمد (تہ بند) باندھتے تھے۔ اس کے پلّو اُڑسنے کے بجائے اِدھر اُدھر ڈال لیتے تھے مگر اٹھتے وقت بہت احتیاط کرتے تھے اوّل تو قطب بنے بیٹھے رہتے تھے۔ اگر اٹھنا ہوا تو پہلے اندازہ کرتے تھے کہ فی الحال اٹھنے کو ملتوی کیا جا سکتا ہے کہ نہیں۔ ضرورت نے بہت ہی مجبور کیا تو ازار بند کی گرہ یا تہمد کے کونوں کے اڑسنے کا دباؤ توند پر ڈالتے تھے سر بہت بڑا تھا مگر بڑی حد تک اس کی صفائی کا انتظام قدرت نے اپنے اختیار میں رکھا تھا۔ جو تھوڑے رہے سہے بال تھے وہ اکثر نہایت احتیاط سے صاف کرا دیے جاتے تھے ورنہ بالوں کی یہ گگر سفید مقّیش کی صورت میں ٹوپی کے کناروں پر جھالر کا نمونہ ہو جاتی تھی آنکھیں چھوٹی چھوٹی ذرا اندر کو دھنسی ہوتی تھی بھویں گھنی اور آنکھوں کے اوپر سایہ فگن تھیں۔ آنکھوں میں غضب کی چمک تھی وہ چمک نہیں جو غصّہ کے وقت نمودار ہوتی ہے بلکہ یہ وہ چمک تھی جس میں شوخی اور ذہانت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اگر میں ان کو 'مسکراتی ہوئی آنکھیں'

کہوں تو بیجا نہ ہوگا کلّہ جبڑا بڑا زبردست پایا تھا چونکہ دہانہ بھی بڑا تھا اور پیٹ کے محیط نے سانس کے لیے گنجائش بڑھادی تھی۔ اس لیے نہایت اونچی آواز میں بغیر کھینچے بہت کچھ کہہ جاتے تھے۔آواز میں گرج تھی مگر لوچ کے ساتھ کوئی دور سے سنے تو یہ سمجھے کہ مولوی صاحب کسی کو ڈانٹ رہے ہیں لیکن پاس بیٹھنے والا ہنسی کے مارے لوٹ رہا ہو۔ جوش میں آ کر جب آواز بلند کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ترم بج رہا ہے اس لیے بڑے بڑے جلسوں پر چھا جاتے تھے ناک کسی قدر چھوٹی تھی اور نتھنے بھاری، ایسی ناک کو گنواروں کی اصطلاح میں ’گاجز‘اور دلّی والوں کی بول چال میں ’پھُلکی‘ کہا جاتا ہے۔ گو متانت چھو کر نہیں گئی تھی لیکن جسم کے بوجھ نے رفتار میں خود بہ خود متانت پیدا کردی تھی۔ داڑھی بہت چھدری تھی ایک ایک بال بآسانی گنا جا سکتا تھا داڑھی کی وضع قدرت نے خود فرنچ فیشن بنادی تھی۔

انھوں نے اپنے بارے میں بتایا لو بھئی ہم بہت غریب لوگ تھے نہ کھانے کو روٹی نہ پہننے کو کپڑا تعلیم کا شوق تھا اس لیے پھرتا پھراتا پنجابیوں کے کٹرے کی مسجد میں آ کر ٹھہر گیا یہاں کے مولوی صاحب بڑے عالم تھے ان سے پڑھتا اور توکل پر گزارہ کرتا۔ مولوی صاحب کے دو چار شاگرد اور بھی تھے انھیں بھی پڑھاتے اور مجھے بھی پڑھاتے دن رات پڑھنے کے سوا کچھ کام نہ تھا تھوڑے سے دنوں میں، میں نے کلام مجید پڑھ کر ادب پڑھنا شروع کیا چار برس میں معلّقات پڑھنے لگا گو میری عمر بارہ سال کی تھی مگر قد چھوٹا ہونے کی وجہ سے نو دس برس کا معلوم ہوتا تھا۔ پڑھنے کے علاوہ میرا کام روٹیاں سمیٹنا تھا۔ صبح ہوئی اور میں چھڑی ہاتھ میں لے گھر گھر روٹیاں جمع کرنے نکلا کسی نے رات کی بچی ہوئی دال ہی دے دی کسی نے قیمہ کی لگدی ہی رکھ دی کسی نے دو تین سوکھی روٹیوں ہی پر ٹرخایا۔ غرض رنگ برنگ کا کھانا جمع ہو جاتا۔ مسجد کے پاس ہی عبدالخالق صاحب کا مکان تھا اچھے کھاتے پیتے آدمی تھے انھیں کے بیٹے ڈپٹی عبدالحامد ہیں جو سامنے والے مکان میں رہتے ہیں ان کے ہاں میرا قدم رکھنا مشکل تھا ادھر میں نے دروازے میں قدم رکھا ادھر

ان کی لڑکی نے ٹانگ لی جب تک سیر دو سیر مصالحہ مجھ سے نہ پسوا لیتی نہ گھر سے نکلنے دیتی نہ روٹی کا ٹکڑا دیتی۔ خدا جانے کہاں سے محلّہ بھر کا مصالحہ اٹھا لاتی تھی پیستے پیستے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے جہاں میں نے ہاتھ روکا اور اس نے بٹّہ انگلیوں پر مارا بخدا جان سی نکل جاتی تھی۔ میں نے مولوی صاحب سے کئی دفعہ شکایت بھی کی مگر انھوں نے ٹال دیا، خبر نہیں مجھ سے کیا دشمنی تھی تاکید کر دیا کرتے تھے کہ عبدالخالق صاحب کے مکان میں ضرور جانا بہر حال اس مارا دھاڑی سے روزانہ وہاں جانا پڑتا تھا اور روز یہی مصیبت جھیلنی پڑتی تھی۔ تم سمجھے بھی یہ لڑکی کون تھی میاں یہ لڑکی وہ تھی جو بعد میں ہماری بیگم صاحبہ ہوئیں۔ جب سوچتا ہوں تو پچھلا نقشہ آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے اور بے اختیار ہنسی آ جاتی ہے۔ اکثر ہم دونوں پہلی باتوں کو یاد کرتے اور خوب ہنستے تھے۔ خدا غریقِ رحمت کرے جیسی بچپن میں شریر تھیں ویسی ہی جوانی میں غریب ہو گئیں۔

ایک روز جو کشمیری دروازے کی طرف گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دہلی کالج میں بڑا ہجوم ہے کالج وہاں تھا جہاں اب گورنمنٹ اسکول ہے۔ میں بھی بھیڑ میں گھس گیا معلوم ہوا کہ لڑکوں کا امتحان لینے مفتی صدرالدین صاحب آئے ہیں۔ ہم نے کہا چلو ہم بھی چلیں، برآمدے میں پہنچا قد چھوٹا تھا لوگوں کی ٹانگوں میں سے ہوتا ہوا گھس گھسا کر کمرے کے دروازہ تک پہنچ ہی گیا۔ دیکھا کہ کمرے کے بیچ میں میز بچھی ہے۔ اس کے سامنے کرسی پر مفتی صاحب بیٹھے ہیں، ایک لڑکا آتا ہے اس سے سوال کرتے ہیں اور سامنے کاغذ پر کچھ لکھتے جاتے ہیں میز کے دوسرے پہلو کی کرسی پر ایک انگریز بیٹھا ہے یہ مدرسے کے پرنسپل صاحب تھے ہم تماشہ میں محو تھے کہ صاحب کسی کام کے لیے اٹھے چپراسیوں نے راستہ صاف کرنا شروع کیا جو لوگ دروازہ روکے کھڑے تھے وہ کسی طرح پیچھے ہٹتے ہی نہیں تھے چپراسی زبردستی ڈھکیل رہے تھے غرض اس دھکا پیل میں میرا قلیہ ہو گیا، دروازہ کے سامنے سنگِ مرمر کا فرش تھا اس پر سے میرا پاؤں رپٹا اور میں دھم سے گرا، اتنی دیر میں پرنسپل صاحب بھی دروازے تک آ گئے تھے۔ انھوں نے جو مجھے گرتے دیکھا تو دوڑ کر میری طرف

© NCERT not to be republished

بڑھے، مجھے اٹھایا، پوچھتے رہے کہیں چوٹ تو نہیں آئی۔ ان کی شفقت آمیز باتیں اب تک میرے دل پر کالنقش فی الحجر ہیں۔ باتوں ہی باتوں میں پوچھا۔ ''میاں صاحب زادے کیا پڑھتے ہیں؟'' میں نے کہا کہ ''معلّقات''۔ ان کو بڑا تعجب ہوا پھر پوچھا۔ میں نے پھر وہی جواب دیا۔ میری عمر پوچھی، میں نے کہا، ''مجھے کیا معلوم؟'' وہ میرا ہاتھ پکڑ کر بجائے اپنے کام کو جانے کے سیدھا مجھ کو مفتی صاحب کے پاس لے گئے اور کہنے لگے ''مفتی صاحب یہ لڑکا کہتا ہے میں معلّقات پڑھتا ہوں۔ ذرا دیکھیے تو سہی سچ کہتا ہے یا یونہی باتیں بناتا ہے۔'' مفتی صاحب نے کہا۔ ''بولو تو کیا پڑھتا ہے''؟ میں نے کہا ''معلّقات'' کہنے لگے کہاں پڑھتا ہے؟'' میں نے کہا پنجابیوں کے کٹڑے کی مسجد میں۔'' پھر کہا ''معلّقات دوں، پڑھے گا'' میں نے کہا ''لائیے'' انھوں نے میز پر سے کتاب اٹھائی اور میرے ہاتھ میں دے دی۔ اور کہا ''یہاں سے پڑھ'' جس شعر پر انھوں نے انگلی رکھی تھی وہ معلّقات سے عمرو بن کلثوم کا شعر تھا۔ اسے میں نے پڑھا اور معنی بیان کیے۔ انھوں نے ترکیب پوچھی وہ بیان کی مفتی صاحب بہت چکرائے۔ پوچھنے لگے ''تم کو کون پڑھاتا ہے''؟ میں نے کہا مسجد کے مولوی صاحب کہا ''مدرسے میں پڑھے گا؟'' میں نے جواب دیا ''ضرور پڑھوں گا۔'' مفتی صاحب نے کاغذ اٹھا کر چند سطریں لکھیں اور پرنسپل صاحب کو دے کر کہا ''اس کو پریسیڈینٹ صاحب کے پاس پیش کر دینا۔'' ہم وہاں سے نکل کر اپنے گھر آئے مولوی صاحب سے کچھ نہ کہا۔ کوئی سات آٹھ روز کے بعد کالج کا چپراسی مولوی صاحب کے پاس ایک کاغذ دے گیا اس میں لکھا تھا کہ نذیر احمد کو کالج میں داخل کرنے کی اجازت ہوگئی ہے۔ کل سے آپ اسے کالج میں آنے کی ہدایت کر دیجیے۔ اس کا وظیفہ بھی ہوگیا ہے۔ چپراسی تو یہ حکم دے چلتا بنا۔ مولوی صاحب نے مجھے بلایا خط دکھایا اور پوچھا یہ معاملہ کیا ہے میں نے کچھ جواب نہ دیا جب ذرا سختی کی تو تمام واقعہ بیان کیا وہ بہت خوش ہوئے اور دوسرے روز لے جا کر میرا ہاتھ پرنسپل صاحب کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس زمانے میں سید احمد خان فارسی کی جماعت میں تھے۔ منشی ذکاءاللہ حساب کی

جماعت میں اور پیارے لال انگریزی کی جماعت میں پڑھتے تھے، میں عربی کی جماعت میں شریک ہوا۔

میں نے کہا مولوی صاحب آپ کی جماعت کہاں بیٹھتی تھی کہنے لگے پرنسپل صاحب کے کمرے کے بازو میں جو چھوٹا کمرہ ہے اس میں ہماری جماعت تھی۔ دوسرے پہلو میں جو کمرہ ہے اس میں فارسی کی جماعت'' دانی نے کہا مولوی صاحب آپ کے اختیاری مضامین کیا تھے؟'' مولوی صاحب ہنسے اور کہا ''میاں دانی''، ہم پڑھتے تھے آج کل کے طالب علموں کی طرح گھاس نہیں کاٹتے تھے۔ مولوی صاحب اس فقرے کا بہت استعمال کرتے تھے۔ ارے بھئی ایک ہی مضمون کی تکمیل کرنا دشوار ہے۔ آج کل پڑھاتے نہیں لادتے ہیں۔ آج پڑھا کل بھولے۔ تمھاری تعلیم ایسی دیوار ہے جس میں گارے کا بھی رڈا ہے۔ ٹھیکریاں بھی گھسیڑ دی ہیں۔ مٹی بھی ہے پتھر بھی ہے کہیں چونا اور اینٹ بھی ہے ایک دھکّا دیا اور اڑ اڑا دھم گر گئی۔ ہم کو اس زمانے میں ایک مضمون پڑھاتے تھے مگر اس میں کامل کر دیتے تھے۔ پڑھانے والے بھی ایرے غیرے پچکلیاں نہیں ہوتے تھے۔ ایسے ایسے کو چھانٹا جاتا تھا جن کے سامنے آج کل کے عالم محض کاٹھ کے اُلّو ہیں۔

مولوی صاحب کو اپنے ترجمے پر بڑا ناز تھا اور اکثر اس کا ذکر فخریہ لہجے میں کیا کرتے تھے۔ اردو ادب میں ان کی جن تصنیفات نے دھوم مچا رکھی ہے ان کے نزدیک وہ بہت معمولی تھیں۔ وہ کہا کرتے تھے کہ'' میری تمام عمر کا صلہ کلام مجید کا ترجمہ ہے۔ اس میں مجھے جتنی محنت اٹھانی پڑی ہے اس کا اندازہ کچھ میں ہی کر سکتا ہوں۔ ایک ایک لفظ کے ترجمے میں میرا سارا سارا دن صَرف ہو گیا۔ میاں سچ کہنا کیسا محاورہ کی جگہ محاورہ بٹھایا ہے۔'' ہم نے کہا۔ مولوی صاحب بٹھایا نہیں ٹھونسا ہے۔ جہاں یہ فقرہ کہا مولوی صاحب اچھل پڑے۔ بڑے خفا ہوتے اور کہتے'' کل کے لونڈو! میرے محاوروں کو غلط بتاتے ہو۔ میاں میری اردو کا سکّہ تمام ہندوستان پر بیٹھا ہوا ہے خود لکھو گے تو چیں بول جاؤ گے۔''

مولوی صاحب نے کئی مرتبہ اس عاجز پر بھی رقمی حملے کئے لیکن یہ ذرا ٹیڑھا مقابلہ تھا۔ ایک چھوڑ کئی کتابیں مولوی صاحب سے اینٹھیں کبھی ایک پیسہ نہ دیا۔ یہ نہیں کہ خدانخواستہ وعدہ کرتا اور رقم نہ دیتا تھا۔ یہ کہ اس وقت تک کتاب لیتا ہی نہ تھا۔ جب تک مولوی صاحب خود نہ فرما دیتے کہ ''اچھا بھئی تو یوں ہی لے جا مگر میرا پیچھا چھوڑ دے۔'' میری ترکیب یہ تھی کہ پہلے کتاب پر قبضہ کرتا، مولوی صاحب کتاب کی قیمت مانگنے میں حجت کرتے، وہ جواب دیتے۔ میں اس کا جواب دیتا ریویو کے لیے جو کتابیں آتی تھیں وہ تو ہمارے باپ دادا کا مال تھیں کتابیں تو کتابیں میں نے مولوی صاحب کی ایل ایل ڈی کی گون پر بھی قبضہ کرنے کا فکر کیا تھا۔

حیدرآباد آنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد معلوم ہوا کہ اس چہکتے ہوئے بلبل نے اس گلشنِ دنیا سے کوچ کیا۔ جب کبھی دہلی جاتا ہوں تو مولوی صاحب کے مکان پر ضرور جاتا ہوں اندر قدم نہیں رکھتا مگر باہر بڑی دیر تک دیوار سے لگ کر دروازے کو دیکھتا ہوں اور رہ رہ کر ذوق کا یہ شعر زبان پر آتا ہے۔

یہ چمن یونہی رہے گا اور سارے جانور
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گے

اللہ بس باقی ہوس

مرزا فرحت اللہ بیگ

مشق

لفظ و معنی

حلیہ : شکل، صورت

تکملہ	:	تکمیل
قطب بنے بیٹھے رہتے	:	اولیاء اللہ میں کچھ لوگ 'قطب' کے درجے پر ہوئے ہیں۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی جگہ یعنی اپنے گھر سے کہیں باہر نہیں جاتے۔ اسی لیے فارسی میں کہاوت ہے 'قطب از جانمی جنبد' (قطب اپنی جگہ سے نہیں ہلتا)
مُرمُرا	:	بھُنے ہوئے چاول
مقیّش	:	سونے چاندی کے تار
سایہ فگن	:	سایہ ڈالنے والا
نمودار	:	ظاہر، نمایاں
شوخی	:	چُلبلا پن
ذہانت	:	دماغ کی تیزی، ذہن
محیط	:	پھیلاؤ، احاطہ کیا ہوا
اصطلاح	:	کسی علمی یا فنی شعبے کا کوئی لفظ جسے عام معنوں کے علاوہ خاص معنوں میں استعمال کیا گیا ہو۔
متانت	:	سنجیدگی، وقار، بھاری پن
وضع	:	ڈھنگ
توکّل	:	خدا پر بھروسہ کرنا
معلّقات	:	معلّق کی جمع، کہا جاتا ہے کہ قدیم عرب میں طریقہ تھا کہ ہر سال کی شاعری کے سب سے اچھے نمونوں کو خانہ کعبہ کے دروازے پر آویزاں کر دیا جاتا تھا۔ ان نظموں کو جو قصیدے کی ہیئت میں ہوتی تھیں 'معلّقات' (لٹکائی ہوئی) کہا جاتا ہے۔ ان

© NCERT not to be republished

کی تعداد سات بتائی گئی ہے۔

عمرو بن کلثوم	:	عربی کا مشہور شاعر، 'عمروؔ' میں عین پر زبر اور میم پر جزم ہے اور واو نہیں پڑھا جاتا۔ یعنی 'عمروؔ' کو Amr پڑھیے
کالنقش فی الحجر (عربی)	:	پتھر پر بنائے ہوئے نقش کی طرح، لہٰذا جو بات کبھی بھلائی نہ جا سکے۔
پچکلیاں	:	مختلف رنگوں سے رنگا ہوا (وہ جانور جس کے چاروں پیر اور ماتھا سفید ہو)
حُجّت	:	دلیل، بحث
ریویو (انگریزی)	:	تبصرہ (Review)

غور کرنے کی بات

- اس مضمون میں نذیر احمد کی شکل، صورت، وضع قطع اور حلیہ کو بڑے دلچسپ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ بات بھی اہم ہے کہ نذیر احمد نے تعلیم کس قدر مشقت سے حاصل کی۔
- مضمون میں نذیر احمد کے زمانے کی معیاری اور مفید تعلیم کے مختلف پہلوؤں کو بھی پیش کیا گیا ہے۔

سوالوں کے جواب لکھیے

1. نذیر احمد کی شخصیت کے دلچسپ پہلوؤں کو اپنے الفاظ میں لکھیے۔
2. نذیر احمد نے اپنے بچپن کے کن واقعات کو لطف لے کر بیان کیا ہے؟ بتائیے۔
3. نذیر احمد کے ساتھ پڑھنے والوں میں کون کون سے ادیب شامل تھے؟

4. نذیر احمد نے آج کل کی تعلیم کی کون کون سی خامیاں بتائی ہیں؟

عملی کام

- اس سبق کا بغور مطالعہ کیجیے اور بتائیے کہ آپ کو نذیر احمد کی کون سی باتیں سب سے اچھّی لگی ہیں۔
- سبق میں جہاں مزاحیہ انداز اختیار کیا گیا ہے۔ اس کی نشاندہی کیجیے۔
- سبق کا خلاصہ تحریر کیجیے۔
- اس سبق میں جو محاورے استعمال ہوئے ہیں انھیں تلاش کر کے لکھیے۔

© NCERT not to be republished